اداریہ

نائب مدیر

پیغام سیرت

مطالعۂ سیرت

علمی، عملی، تحقیقی اور تدریسی کی اہمیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

مطالعہ سیرت ایک طویل عنوان ہے، جس کے بہت سے پہلو ہیں، ہم اس کی فنی اور تیکنیکی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے، مطالعۂ سیرت کے مختلف پہلو، اور ان کے تقاضوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کریں گے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱)

سیرت سے متعلق ہمارا عمومی رویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو عام طور پر ہم شاید وہ توجہ نہیں دے پاتے جو اس کا مقام اور اس کا حق ہے، جس کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں، لیکن ایک چیز واضح ہے کہ اس کو ہم نے کبھی سبق

۱۔ الاحزاب: ۲۱

اور درس کے طور پر نہیں، صرف سعادت کے طور پر لیا ہے۔ پھر اس میں بھی ہمارے پیش نظر انتخاب ہوتا ہے اور ذہن میں یہ خیال رہتا ہے کہ اگر سیرت طیبہ کے کسی ایک پہلو پر بھی بات کر دی گئی، یا اس کے کچھ حصے کا مطالعہ کر لیا گیا تو شاید اس کا حق ادا ہو گیا۔ سیرت طیبہ کو کہیں سے بھی بیان کر دیا جائے، کوئی ایک پہلو، کوئی واقعہ، کوئی خاص تاریخی دور یا دورانیہ، اس کے سعادت ہونے میں ظاہر ہے کہ دو رائے نہیں ہو سکتیں، لیکن اس کو ''سیرت پڑھنا پڑھانا'' نہیں کہہ سکتے، جب تک کہ پورے علم سیرت کو کم از کم ایک بار پورے تسلسل کے ساتھ نگاہوں سے نہ گزار لیا جائے۔

پھر یہ محض مطالعہ بھی کافی نہیں یعنی بیان سیرت کرتے اور مطالعۂ سیرت کے دوران اس کی استنادی حیثیت بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔ اس میں کئی ایک پہلو بھی پیش نظر رہنے چاہییں:

الف: مطالعۂ سیرت کی اسانید۔ یعنی بیان سیرت کرتے ہوئے اور مطالعۂ سیرت کے دوران اس کی استنادی حیثیت بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔

ب: مصادر و ماخذ شناسی۔ یعنی سیرت کے بنیادی مصادر کیا ہیں، کس کا کیا مقام ہے، کون کس سے استفادہ کرتا ہے۔

ج: درایتی مسائل۔ اگر روایتی اعتبار سے بیان درست بھی ہو، تب بھی یہ غور و فکر کہ کیا یہ درایتی اعتبار سے یہ روایت قابل حجت ہے؟

د: اختلاف روایت اور مشکلات سیرت۔

ھ: اسباق سیرت۔ واقعات سیرت سے حاصل ہونے والے اسباق پر غور اور ان کی عصری تطبیق۔

سیرت کا بہ طور خاص مطالعہ کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے، اور عام طور پر لاعلمی میں یہ سوال اٹھایا بھی جاتا ہے کہ جب ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں یا احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں، اسی طرح درس نظامی کے دوران احادیث کے مطالعے کسی نہ کسی درجے میں ہم ایک بار گزر جاتے ہیں تو پھر علیحدہ سے سیرت طیبہ کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟ ان سوالات کے جوابات سے پہلے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ غور کریں کہ مطالعہ سیرت کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟ آخر سیرت طیبہ کو پڑھنا ہمارے لیے کیوں اتنا اہم ہے؟ اس

کے بعد ہی ان سوالات کا جواب جاننا ہمارے لیے سہل ہوسکتا ہے۔

بہ طور مسلمان اور بہ طور ایک انسان ہم سیرت طیبہ کا مطالعہ کیوں کریں۔ پھر ذات رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ﷺ کا ایک تعارف قرآن کریم نے رحمۃ اللعالمین کروایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے ہماری نظر میں اس کی افادیت اور ضرورت کیا ہے؟ اسی طرح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ ایک ''رول ماڈل'' ہیں۔ رول ماڈل کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کو دیکھنا، پڑھنا اور سمجھنا یہ بھی سیرت کی اہمیت ہے۔ رول ماڈل ایسی ذات ہوتی ہے جو عملی زندگی میں رہ نمائی کا فریضہ انجام دے۔ پھر عملی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں، انسان کو اپنی پیدائش سے لے کر وفات تک انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جس جس حوالے سے رہ نمائی کی ضرورت پیش آسکتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں وہ تمام پہلو اجمالاً موجود ہیں۔ اس لیے آپ کی ذات میں اسوۂ حسنہ ہونے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ذات کو رول ماڈل بنانے کے بعد ہمیں کسی اور جانب دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوسکتی، بل کہ بہ طور مسلمان ہمیں اس حوالے سے کسی اور جانب دیکھنے کی اجازت بھی نہیں ہوسکتی۔

آج کے دور میں مطالعہ سیرت کی ضرورت

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو ''رول ماڈل'' کہا گیا ہے، اس پر غور کرتے ہوئے ایک سوال یہ ذہن میں آسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے آپ کی حیات مبارکہ میں کچھ مسائل موجود تھے۔ ان میں سے کچھ مسائل بعد کی دنیا میں ختم ہوگئے اور کچھ نئے مسائل پیدا ہوگئے۔ چناں چہ ان تمام مسائل کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

۱۔ یہ مسائل جو حضور ﷺ کے زمانے میں بھی تھے اور آج بھی اسی طرح ہیں۔

۲۔ وہ مسائل جو اس وقت تھے، آج موجود نہیں۔

۳۔ وہ مسائل جو اس زمانے میں نہیں تھے، آج موجود ہیں۔

چناں چہ عام انسانی ذہن یہ کہتا ہے کہ جو مسائل اس زمانے میں تھے اور آج بھی اسی طرح موجود ہیں، ان میں تو سیرت طیبہ سے رہ نمائی مل سکتی ہے، لیکن وہ مسائل جو آپ کے زمانے میں نہیں

تھے، بعد میں کسی وقت پیدا ہوئے اور آج بھی موجود ہیں، ان معاملات میں سیرت سے رہ نمائی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے۔ رہے وہ مسائل جو آپ ﷺ کے زمانے میں تھے، اب ختم ہو گئے، اس میں ہمیں رہ نمائی کی کیا ضرورت ہے؟

سیرت طیبہ اور آج کے مسائل

غور کیا جائے تو قرآن کریم میں چند انبیا کا ذکر بڑے تکرار کے ساتھ ہے، جیسے آپ ﷺ کا، حضرت عیسیٰ، حضرت شعیب، حضرت ابراہیم، حضرت نوح علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر ہے۔ ہر دوسری تیسری سورت میں کہیں اختصار اور کہیں تفصیل سے، کہیں پہلا ٹکڑا اور کہیں واقعے کا آخری ٹکڑا۔ لیکن تسلسل کے ساتھ یہ ذکر قرآن کریم میں بار بار آتا ہے۔ دراصل قرآن حکیم ہمیں یہ ذہن نشین کروانا چاہتا ہے کہ جو مسائل مختلف انبیائے کرام کے زمانے میں تھے اور وہ مسائل جو آج ہمیں درپیش ہیں، حقیقت کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسان تبدیل نہیں ہوا۔ انسان میں مادیت کا غلبہ ہے، انسان چمک کی طرف دوڑتا ہے، انسان حاصل زیادہ کرنا چاہتا ہے اور دینا کم چاہتا ہے، انسان کے اندر حسد ہے، انسان کے اندر بغض ہے، انسان کے اندر لڑنے کا مادہ ہے اور انسان کے اندر کاہلی ہے۔ یہی چیزیں پہلے لوگوں میں بھی موجود تھیں، اور آج ہمارے اندر بھی تھوڑے تھوڑے فرق سے موجود ہیں۔ گویا اس حوالے سے اس قدر زمانہ گزر جانے کے باوجود آج کے انسان اور ماضی بعید کے انسان میں کچھ فرق نہیں آیا۔

ہر دور کے مسائل میں قدر مشترک

قرآن کہتا ہے کہ وہ کیفیتیں جو مزاج کو تعمیر کرتی ہیں یا اس کو بگاڑتی ہیں، وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کے انسان میں موجود ہیں، ان میں تبدیلی نہیں آئی۔ انسان کو چاہے صحرا میں بٹھا دیا جائے، چاہے شہر میں، اس کے لیے چھپر بنا دیا جائے، خواہ رہنے کے لیے پختہ گھر بنا دیا جائے، دونوں صورتوں میں اس کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، انسان آسائش میں خوش ہوتا ہے، اور اگر آسائش چھین لی جائے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ یہ فرق اُس زمانے میں بھی تھا، اِس زمانے میں بھی ہے۔ اس زمانے میں آسائشیں الگ تھیں، آج کی آسائش الگ ہیں۔ چناں چہ نبی کریم علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا زمانہ ہو یا آج کا عہد ہو، اس میں فرق اس لیے نہیں ہے کہ انسان وہی ہے، اس کی

نفسیات اور خواہشات وہی ہیں۔ انسان کے ساتھ اچھی بری چیزیں جذبات کی شکل میں ماضی سے لے کر آج تک یک ساں طور پر چمٹی ہوئی ہیں۔ نفس کے تقاضے، شیطان کے وساوس، جذبات کے دھوکے یہ سب اس عہد میں بھی موجود تھے، اور اُس عہد میں اسی طرح موجود ہیں، البتہ کہیں کہیں تقاضوں میں فرق ضرور واقع ہو چکا ہے۔ لیکن بنیادی مزاج اور انسانی تقاضے ایک جیسے ہیں۔

سیرت طیبہ تا قیامت رہ نمائی کا ذریعہ

قرآن حکیم نے جب کہا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱)

تو قرآن کریم کو ماننے والے ہر شخص نے تسلیم کرلیا کہ اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں۔ اسی طرح یہ بھی کہ یہ آیت عہدِ نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہوسکتی، قرآن تو یام قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ قرآن کریم کو جب **ھدی للناس** کہا تو وہ قیامت تک کے لیے کہا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اسوۂ حسنہ کا ہونا بھی قیامت تک کے لیے ہوگا، اس کو کسی محدود دائرے میں بند نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ بات بھی نظری ہے، عملی نہیں۔ عقیدے کے طور پر آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے تعلق کے طور پر یہ بات کہہ سکتے ہیں، عملی طور پر اس کو سمجھنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے کسی مثال کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

مسائل کا حل سیرت کی روشنی میں

مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کے عہد سے لے کر چودھویں صدی تک مشینی زندگی کا آج والا تصور نہیں تھا۔ فضائی، ماحولیاتی آلودگی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ آلودگی کب آئی؟ جب مشین آئی ہے۔ مشین آنے کے بعد وہ کام جو چند مہینوں میں ہوتا تھا، وہ چند لمحوں میں ہونے لگا۔ کتاب کی مثال لے لیجیے۔ پہلے اگر ایک کتاب کی صرف ایک کاپی تیار کرنا بھی مقصود ہوتی تو چار سو صفحات کی کتاب کا صرف ایک نسخہ تیار کرنے کے لیے ایک ہفتہ اور کم از کم پچیس تیس کاتب درکار ہوتے تھے۔ اس کے برعکس مشین کی آمد کے بعد ایک کتاب کے ہزار نسخے بھی دو روز میں تیار ہونا ممکن ہوگئے، اور لاگت

۱۔ الاحزاب: ۲۱

بھی انتہائی کمی واقع ہوگئی۔

یہ تو اس عمل کا فائدہ ہوا۔ لیکن اسی مشین کے ذریعے دوسرے نقصانات بھی ہوئے کہ انسانی زندگی مصنوعیت کی طرف چلی گئی۔ انسانی زندگی کے اندر دوسرے غیر معمولی قسم کے وہ خطرات آ گئے کہ انسان آج صرف اپنی بیماریاں شمار کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ یہ سب مشینی زندگی کا تحفہ ہے، اور اس کے جو دوسرے نقصانات سامنے آرہے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ مشینی زندگی کا یہ وہ رخ ہے جس نے انسانیت کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ پڑھنے اور پڑھانے والوں نے جب ماحولیات کا جائزہ لیا، حال آں کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ماحولیات نام کا کوئی مضمون دنیا میں متعارف نہیں ہوا تھا، بیسویں صدی اور اکیسویں صدی میں جا کر وہ مضمون پہلے گریجویشن کی سطح پر متعارف ہوا، پھر رفتہ رفتہ پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ کی سطح تک یہ مضمون وسیع ہوگیا۔ اس طرح سوچ وفکر کے نئے در وا ہوئے۔

عموماً ہوتا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کوئی بھی موضوع ہو، اس کو سیرت کی روشنی میں کیسے دیکھا جائے؟ انہوں نے جب اس موضوع پر کام شروع کیا تو حیرت انگیز معلومات سامنے آئیں۔ ماحولیات سیرت طیبہ میں کے موضوع پر درجن سے زائد مضامین تو میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ وہ موضوع ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہیں ہے، آپ کے ہزار سال بعد بھی نہیں ہے، اس مضمون کو بھی آج کے حالات میں ہم دیکھتے ہیں اور سیرت طیبہ کی مثالیں سامنے رکھتے ہیں تو ہمیں رہ نمائی مل جاتی ہے، یہ ایک عملی چیز ہے۔ یہ سیرت طیبہ کا اعجاز ہے، چوں کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کے لیے پیغمبر ورہ نما بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اگر اس سے ہزار گنا مشکل معاملہ بھی انسانیت کو درپیش ہو تو سیرت طیبہ میں اس کا بھی حل ضرور وجود ہوگا۔ صرف پڑھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مطالعہ سیرت اور اتباع نبی

قرآن کریم نے اتباع نبی ﷺ کو لازم قرار دیا ہے، اتباع کا مفہوم ہے کہ ہر معاملے میں پورے یقین کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا۔ قرآن کریم نے اتباع کا ذکر مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۱)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (۲)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

یہاں غور وفکر کا مرحلہ یہ ہے کہ مخلوق کو خالق سے محبت ہونا ایک فطری تقاضا ہے۔ ماں اور بچے کا باہمی تعلق بھی خالقیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ بندے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق اپنے خالق سے ہو لیکن اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ سے محبت کرو تو میرے پیارے محبوب ﷺ سے محبت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود نہیں کہا، بل کہ واسطے سے کہا کہ: اے میرے محبوب آپ کہہ دیجیے، یعنی یہ واضح کر دیا کہ مجھ تک پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ محمد رسول اللہ کا ہی واسطہ ہے۔ یہاں پر محبت نہیں بل کہ اتباع کا ذکر ہے کیوں کہ محبت کا دائرہ متعین نہیں ہوسکتا۔ کوئی کہے گا میں سچ بولتا ہوں، میں نے محبت کے تقاضے پر عمل کیا۔ دوسرا شخص کہے گا میں پگڑی باندھتا ہوں، میں نے محبت کا تقاضا پورا کیا۔ اور سچ تو یہ ہے ان میں سے جو بھی خلوص نیت کے ساتھ عمل کر رہا ہے، وہ یقیناً محبت کے تقاضے پر عمل پیرا ہے۔ کیوں کہ محبت چیز ہی ایسی ہے کہ اسے کسی قاعدے ضابطے یا چند اصول ومظاہر تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔

شریعت کا اصول وضابطہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا حکم نہیں دیتی، جس کو متعین اور واضح نہ کیا جاسکے۔ آج کل یہ بحث ہو رہی ہے کہ بڑے بڑے بزرگانِ دین اور علمائے کرام نے عدل کو ''مقاصد شرعیہ'' میں داخل کیوں نہیں کیا؟ ظاہر بات ہے کہ عدل ایسی چیز ہے کہ اس کی مکمل وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ نہ پورے یقین کے ساتھ دو اور دو چار کی طرح پر صورت میں ثابت کیا جاسکتا ہے کہ عدل کے تمام تقاضے پورے کر دیے گئے۔ چاہے جتنی بھی کوششیں کر لی جائیں، ماتحت افراد کبھی بھی خوش نہیں ہوں گے۔ ہر

۱۔ محمد: ۳۳

۲۔ آل عمران: ۳۱

وقت یہی شکوہ رہے گا کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا۔ چناں چہ جب اس معنیٰ میں اسے پورا نہیں کیا جاسکتا تو شریعت نے بھی اسے ''مقاصد شریعت'' میں داخل نہیں کیا۔ بالکل یہی مسئلہ محبت کا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اگر محبت کرنی ہو تو اتباع کرو، کیوں کہ اتباع کے درجات ہو سکتے ہیں، جیسے: میں نے ۵۰ فیصد اتباع کی، میں نے ۱۰ فیصد اتباع کی یا میں نے کسی ایک مسئلے میں اتباع کی وغیرہ وغیرہ۔ تو اتباع میں تو تعین ہو سکتا ہے، لیکن محبت میں نہیں۔ کوئی بھی شخص کسی دوسرے کو محبت میں چیلنج نہیں کر سکتا کہ مجھ میں زیادہ محبت ہے یا تم میں۔ محبت ظاہر ہوتی بھی نہیں، جو کچھ ظاہر ہوتا ہے، یا سب کے سامنے آتا ہے وہ تو محبت کے مظاہر ہیں۔

اس بنا پر کوئی بھی چیز جسے دوسروں سے ممتاز نہیں کیا جاسکتا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ دنیوی لحاظ سے اس پر بنیاد نہیں رکھی جاسکتی، اسی وجہ سے قرآن کریم نے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کہلوایا: **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ**، آگے ارشاد فرمایا: **فَاتَّبِعُوْنِيْ** یہاں پر محبت کا ذکر نہیں حال آں کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت حقوق النبی میں شامل ہے، آگے اس بات سے کہیں زیادہ دل چسپ بات یہ ارشاد فرمائی: **يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ**، مشاہدہ اور قانون یہی ہے کہ ہمیشہ مخلوق کو خالق کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ بالکل برعکس کر دیا کہ اگر چہ ضرورت تمہاری ہے، لیکن اگر تم اس راستے پر آؤ گے تو میں خود تم سے محبت کروں گا۔ وہ ذمے داری جو تم پر لازم تھی، محض اتباع نبوت کی برکت سے میری طرف لوٹ آئے گی۔ اتباع کو قرآن کریم نے بہت اہمیت اور ضرورت کے ساتھ بیان کیا ہے، جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اتباع بہت ضروری ہے۔ اب اس ضروری حکم کی تکمیل و پاس داری کے لیے ہمیں اپنے پیارے آقا رسول اللہ ﷺ کی پوری ۶۳ سالہ زندگی کو پڑھنا پڑے گا، اس کے بعد ہی ہم رسول اللہ ﷺ کا کما حقہ اتباع کر سکتے ہیں۔ سچی بات ہے کہ کما حقہ تو اتباع پھر بھی ممکن نہیں ہوتی، ہاں اتباع کا ضابطہ ہمارے سامنے ضرور آجائے گا۔

مطالعہ سیرت اور ہماری روزمرہ زندگی

بعض مرتبہ مطالعہ سیرت کے دوران یہ الجھن پیش آتی ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج آپ سے ناراض ہوگئیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کی ازواج ان سے ناراض ہو جائیں؟ حال آں کہ نہ صرف یہ کہ اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں بل کہ یہ بات تو امت کے حق میں عین رحمت اور اسوہ حسنہ

کے اسوہ کامل ہونے کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اگر وہ ناراض نہ ہوتیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوتا کہ ایسے مواقع پر ہمیں کیا کرنا ہے؟ اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ اتنے بڑے درجے کے مطیع، ان سے کوئی غلطی کیسے صادر ہوگئی، یہ بھی ہمارے لیے سبق کا باعث ہے کہ اگر غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا تو کیسے پتہ چلتا کہ ہمیں بہ طور منتظم، بہ طور مربی اور بہ طور سرپرست ایسے مواقع پر کیا کرنا ہے؟ یہ تمام چیزیں رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اس لیے پیش آئیں کہ **فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ** پر عمل ہو سکے مگر یہ فہم سیرت ہم میں اس وقت پیدا ہوگا جب ہم سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کریں گے اور اس مقصد سے ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے۔

شعوری محبت اور مطالعہ سیرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا معروف ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کے دوران محبت کا ذکر آیا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اپنی ذات کے بعد ہر چیز سے بڑھ کر آپ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا ایمان مکمل نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب مجھے اپنی ذات سے بھی بڑھ کر آپ سے محبت ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: الآن یا عمر یعنی اے عمر! اب ٹھیک ہے۔ ایک سے زائد روایات واحادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے رسول سے محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، مختلف کتب حدیث کی کتاب الایمان میں یہ بحثیں موجود ہیں۔

یہ واقعہ ذرا توجہ طلب ہے کہ آخر یہ کیسی محبت ہے جو لمحہ واحد میں صرف آپ ﷺ کے کہنے سے پیدا ہوگئی؟ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ محبت کے دو بڑے درجے ہیں: ایک جبلی محبت جو فطری ہوتی ہے۔ انسان اور جانور کی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اگر ایک انسان کے بچے کو اپنی ماں سے محبت ہے تو بلی کے بچے کو بھی اپنی ماں سے محبت ہے۔ مرغی کے چوزے کہاں بھاگتے ہیں؟ بطخ کے بچے کہاں لپکتے ہیں؟ سب کا مرجع اور ملجا و مادی ماں کی گود ہی ہوتی ہے۔ جبلی محبت بدل سکتی ہے، جیسے ماں باپ کا اولاد سے ناراض ہوجانا وغیرہ۔

دوسرا درجہ شعوری محبت کا ہوتا ہے۔ ایمان کا معاملہ اتنا ہلکا نہیں ہے کہ اس کو جبلی محبت پر چھوڑا جائے، جب تک شعوری محبت حاصل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو توجہ دلائی اور ان کے واسطے سے امت کو یہ بات سمجھائی کہ مجھ سے جس محبت کا تقاضا ہے، اور جسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے، وہ دراصل شعوری محبت ہے۔ شعوری محبت اور جبلی محبت میں فرق آج ہم پوری

دنیا میں دیکھ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا، آپ کی سیرت کی، آپ کے احکامات کی بڑے سے مخالفت پر مجھ سمیت تمام اہل ایمان کے دلوں میں جنبش پیدا نہیں ہوتی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی ذات کے لیے، آپ کے پیغام کے لیے کوئی سنجیدہ کام کرنا ہو تو بھی کوئی بڑی ہلچل نہیں ہوتی، لیکن اگر آپ کی ذات کے حوالے سے کوئی معاملہ درپیش ہو اور صرف شوشہ ہی چھوڑ دیا جائے کہ نعوذ باللہ کہیں توہین کا واقعہ ہوا ہے، تو بلا تحقیق بھی تو سوشل میڈیا پر ایک طوفان آجاتا ہے۔ لوگ سڑکوں پر آجاتے ہیں۔ یہ ہوتا ہے جبلی یا فطری محبت کا نتیجہ۔ اسے جب تک شعوری محبت میں نہیں بدلا جائے گا، تب تک ہمارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ اس کو شعوری محبت میں کیسے بدلا جائے؟ اس کے لیے ضروری ہے حضور ﷺ کا مقام سمجھا جائے، انسانیت پر آپ کے احسانات وانعامات کو سمجھنا ضروری ہے۔

پھر ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ کوئی حضور ﷺ سے کیوں کر محبت کرے؟ اس لیے کہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ یہاں پر رشتے کچھ دو کچھ لو کی بنیاد پر استوار ہوا کرتے ہیں۔ ماں باپ سے کوئی کیوں محبت کرتا ہے؟ اس لیے کہ انہوں نے اسے جنم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے شعوری محبت انسان کو اس وقت ہوگی، جب وہ یہ جانے گا کہ ہمیں آپ سے ملا کیا ہے؟ کیوں کہ محسن سے ہر ایک کو محبت ہوتی ہے بہ شرط یہ کہ وہ انسان شریف اور وفادار ہو۔ ایسا شخص دس روپے دینے والے کو بھی نہیں بھولتا، لیکن اگر اس کی انسانیت میں ہی ملاوٹ ہو چکی ہے تو پھر وہ لاکھ روپے کھا کر بھی ڈکار نہیں لے گا۔ وہ دس روپے کا احسان نہ بھلانے والا انسان اس ذات کو کیسے بھول سکتا ہے، جس نے ہمیں اتنا زبردست نظام عطا کر دیا۔ ایک ایسا نظام جس کے اندر دس ہزار خرابیاں ہونے کے باوجود بھی ہم سکون کا سانس لے سکتے ہیں۔ حضور ﷺ کی ذات کو ذرا اس دنیا سے علیحدہ کر کے دیکھیے تو پیچھے کیا بچے گا؟ چودہ سو سال پہلے کے حالات پر غور کیجیے کہ کس طرح کی جہالت کا دور دورہ تھا؟ اگر اس دور میں ہمیں حضور ﷺ جیسی عالی مقام اور بلند صفات کی حامل شخصیت نہ ملی ہوتی تو سوچیے کہ آج ہماری کیا حالت ہوتی؟ اس وقت تو یہ حالت تھی کہ شعرا کہا کرتے تھے:

واحیانا علی بکر اخینا
اذا لم نجد الا اخانا(۱)

۱۔ دیوان حماسہ: ۶۲

اگر ہمیں جنگ کے لیے کوئی حریف اور دشمن قبیلہ نہیں ملتا تو ہم اپنے برادر قبیلے پر ہی غارت ڈال دیتے ہیں۔

یہ بات اگر ذہن میں آئے گی تو کس طرح آئے گی؟ حضور ﷺ کی شعوری محبت کیسے ہمارے دلوں میں آئے گی، کوئی صورت ہے، سیرت کو پڑھے بغیر؟ یقیناً اس کے لیے سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

مطالعہ سیرت اور تعارف نبی

رسول اللہ ﷺ کی سیرت، آپ سے پہلے کا ماحول، مکہ وطائف کے ماحول پر نظر ڈالیے۔ وہی لوگ جب آپ کے سامنے مجرم بن کر محکوم ہو کر آتے ہیں تو آپ کیا کرتے ہیں؟ فتح مکہ کا واقعہ ذہن میں لائیے اس سے بڑا احسان کوئی ہو سکتا ہے کہ جو ظالم سر جھکا کر بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے کہتے ہیں:

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء (۱)

اس سے بڑا احسان کوئی ہوگا؟ ان کو ایک جملے کے ذریعے آزاد کر دیا، اس کو کیسے انسانیت بھول سکتی ہے؟ دنیا نے یقیناً نہیں بھلایا، بل کہ سے اہتمام کے ساتھ یاد رکھا ہے۔ اگر کسی نے بھلایا ہے تو چند افراد کی اس بھری پڑی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں، کیوں کہ معاندین تو ہر دور میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر ایمان نہ لانے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے، لیکن اکثریت پر فیصلہ ہوتا ہے اور اکثریت نے آج تک چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے، البتہ ہماری مجموعی اکثریت نے حضور ﷺ کی شخصیت کو مکمل طور پر سمجھا ہی نہیں، کیوں نہیں سمجھا؟ اس لیے کہ ہم نے ان کے بارے میں کما حقہ پڑھا ہی نہیں۔

مطالعہ سیرت اور تعلیمات نبوی ﷺ

قرآن کی ایک اور آیت ہے، جس میں آپ ﷺ کو رحمۃ اللعالمین کہا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اسی طرح فرمایا گیا:

۱۔ قاضی عیاض۔ الشفا: ج ۱، ص ۶۴

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۱)

اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

ان دونوں آیتوں کو اگر ہم دیکھیں تو مطالعہ سیرت کی ایک اور وجہ ہمارے سامنے آجائے گی۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ کی ذات کو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا بل کہ تمام عالم کے انسانوں کے لیے آپ کی ذات کو رحمت قرار دیا گیا، وہ یوں کہ نبی ﷺ نے جو انعام امت کو دیا ہے، وہ بنیادی طور پر ایک ہی ہے، لیکن اس کی جہتیں دو ہیں: ایک تو وہ جس کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور دوسری وہ جس کا تعلق اخروی زندگی سے ہے، لیکن چوں کہ اسلامی احکامات کے مطابق دنیوی زندگی اخروی زندگی کا دیباچہ ہے، اس لیے اس کو الگ کر کے بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ ان دونوں حصوں کے لیے حضور ﷺ کی تعلیمات ہیں، جو بنیادی طور پر رحمۃ للعالمین کے مرتبے کی چیز ہیں۔ یہ ساری تعلیمات بالکل واضح ہیں، لیکن ان کو ماننے والوں نے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، مثلاً: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ مت بولو، غیبت مت کرو، دھوکہ نہ دو، فلاں کام نہ کرو۔

ان احکامات کو ماننے کے دو طریقے ہیں:

ایک تو یہ کہ ہم ان کو بہ طور مسلمان مان لیں۔ اس صورت میں دنیا بھی ہماری سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

دوسرا یہ کہ کوئی بہ حالت کفر ان پر عمل پیرا ہو۔ اس صورت میں اس کا دامن بھی خالی نہیں رہتا۔

یہی وہ بات ہے جس کا ہمیں آج طعنوں کی شکل میں سامنا ہے اور جس پر ہم سیخ پا ہو جاتے ہیں، لیکن بات سچی ہے، چاہے ہمیں سمجھ آئے یا نہ آئے، اور چاہے ہمیں ری لگے یا اچھی۔ دنیوی نظام کے حوالے سے جو منظم اور مرتب مملکتیں ہیں، وہاں پر لوگ خوش یا کم از کم مطمئن اور اس کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ انہوں نے انتظامی طور پر وہ تمام چیزیں جن کی حضور ﷺ نے تعلیم دی، ان کو اپنا لیا، چاہے وہ حضور کے نام سے لی ہوں، یا آپ ﷺ اور آپ کے پیغام کو نظر انداز کر کے لی ہوں۔

۱۔ سبا: ۲۸

دنیا کی معقول قوموں نے یہ چیزیں دو طریقوں سے سیکھی ہیں:

یا تو انہوں نے بہ راہ راست ہم سے سیکھیں، مثلاً حضرت عمرؓ کا نظام لیا، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات لیں، کیوں کہ ان لوگوں کو مطالعے کی عادت ہے۔ ان کے ہاں پڑھنے اور سیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے۔

یا انہوں نے اپنے تجربے سے سیکھیں۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمیں چودہ سو برس پہلے یہ چیزیں وحی کے ذریعے مل چکی تھیں اور اپنی اصل شکل میں ملی تھیں، لیکن ہم نے ان کو عملی زندگی کا حصہ نہیں بنایا، حال آں کہ تجربہ دھوکہ دے سکتا ہے، مگر وحی کے باب میں اس کا ہلکا سا وسوسہ بھی جہالت سے کم نہیں۔ اس مقام پر کسی نوعیت کا شبہ ممکن ہی نہیں۔ ہاں اگر کہیں کسی درجے میں وحی الٰہی کی تفہیم اور تعبیر میں کسی نوعیت کی غلطی کا احتمال تھا بھی تو اسوہ حسنہ کے ذریعے اسے بھی دور کر دیا گیا۔ لیکن عملاً یہ ہوا کہ وہ اپنے تجربے پر چل کر بھی آگے نکل گئے، مگر ہم وحی کے ہوتے ہوئے بھی عمل نہ کرنے کی وجہ سے اتنے پیچھے رہ گئے۔

اس لیے تو نبی کریم ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے اگر کوئی مسلمان ایمان کی حالت میں عمل کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں کام یاب ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بدقسمت ایمان نہیں لاتا، مگر تعلیمات نبوی پر عمل کرتا ہے تو دنیوی اعتبار سے وہ بھی خالی ہاتھ نہیں رہے گا اور محروم نہیں ہوگا، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ اس حوالے سے بھی ضروری ہے اور ہونا چاہیے۔ نیز یہ خالص دعوتی پہلو بھی ہے، اس کے ذریعے ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کی جانب اور اس کی اثر پذیری کی طرف غیر مسلموں کو سہولت کے ساتھ متوجہ کر سکتے ہیں۔ مطالعۂ سیرت کا یہ ایک اہم پہلو ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک انسان جو حضور ﷺ کی تعلیمات پر لاعلمی کی وجہ سے، یا ضد و ہٹ دھرمی کی بنیاد پر عمل نہیں کرتا تو اسے بتانا چاہیے کہ یہ کام تمہارے لیے نقصان دہ ہے اور وہ فائدہ مند۔ اگر وہ سمجھ جاتا ہے اور اس پر عمل کر لیتا ہے تو شاید یہی عمل اس کی ہدایت کا بھی سامان بن جائے۔ بہت سارے قوانین ایسے ہیں کہ جس پر آج تک انہوں نے بھی عمل نہیں کیا، حال آں کہ اور انہیں اس کی ضرورت بھی ہے۔ مثلاً آپ جتنے بھی لوگ گاڑیوں میں، فلیٹوں میں، بنگلوں میں دیکھتے ہیں، وہ سب کے سب مقروض ہوتے ہیں، گھروں کی چابیاں، گاڑیوں کے کاغذات سب بینک کے پاس گروی

ہوتے ہیں، یوں وہ پوری زندگی مقروض بن کر گزارتے ہیں۔ ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے بیان کردہ معاشی و معاشرتی قوانین بتانے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ اس پر عمل کر کے ان بے ہودہ قوانین سے نجات حاصل کریں اور شاید یہی بات ان کی ہدایت کا بھی سبب بن جائے۔

مطالعہ سیرت اور شجرہ طیبہ

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا بڑا حصہ ظاہر ہے کہ آپ کے بعد آپ ﷺ کے اجداد کے حالات کیوں کر محفوظ ہوئے؟ اگرچہ یہ نسب محض جدامجد عدنان تک ہی محفوظ رہ سکا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے خود عدنان تک اپنا نسب بیان کیا اور پھر کہا ''کذب النسابون''، مگر عدنان تک بھی معمولی فاصلہ تو نہیں۔ حضرت عبداللہ سے لے کر عدنان تک بیس پچیس پشتیں ہیں، ان کے حالات کیوں محفوظ ہیں؟ وہ کون سی طاقت ہے جو ان کے بعد ان کے حالات محفوظ کروا رہی ہے؟ دل چسپ بات یہ ہے کہ شجرہ طیبہ آپ ﷺ کے اجداد کا ہے، جو محفوظ ہو کر ہم تک پہنچ سکا ہے۔ لیکن اجداد کے بھائی بہن بھی تو ہوں گے، ان کے حالات محفوظ کیوں نہیں؟ اگر آپ کہیں کہ مسلمانوں کو ان کے حالات کی ضرورت نہ تھی، اس لیے محفوظ نہیں کیے، لیکن بات یہ ہے کہ ان کے حالات ہیں بھی نہیں۔ اسلام سے بہت پہلے، رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لانے سے برسوں قبل ان کے حالات محفوظ کیسے ہوئے؟ اور باقی کے کیوں نہ ہو سکے۔ غور کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ عام طور پر لوگوں کے حالات محفوظ کیوں ہوتے ہیں؟ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر معاشرہ اپنے محسنوں کو نہیں بھولتا مثلاً کراچی میں کروڑوں لوگ ہیں، ان کے گزر جانے کے بعد آپ کتنے لوگوں کو یاد رکھ پائیں گے؟ زیادہ سے زیادہ دو ہزار، تین ہزار اور وہ کون ہوں گے؟ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے کوئی نہ کوئی کام کیا ہوگا۔ چاہے وہ اچھا ہو یا برا، اس سے غرض نہیں۔ کسی نے ادارہ بنایا، کسی نے ہسپتال بنایا تو کسی نے ٹرسٹ قائم کیا، ایسے ہی لوگوں کو زمانہ یاد رکھتا ہے، اس لیے اصول یہ ہے کہ معاشرہ اپنے محسنوں کو نہیں بھولتا۔

یہی وہ نکتہ ہے جو سیرت سے بھی نکلتا ہے جب آپ ﷺ نے وحی اول کے بعد آپ کی رفیقۂ حیات اپنے احساسات اپنی رفیقۂ حیات کے سامنے کہے تھے، اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی کے پانچ جملے کہے تھے وہ یہ تھے:

کلا و اللہ! لایخزیک اللہ ابداً، فانک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق (۱)

ہرگز نہیں، خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، کم زور کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار کو کما کر دیتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اور نیکی کے کاموں میں معاونت کرتے ہیں۔

ان سب میں خدمات کا تذکرہ ہے، رفاہ عامہ کے کاموں کا تذکرہ ہے۔ یہ کہیں نہیں ملتا کہ آپ تو عبادت کرتے ہیں اور غار میں راتیں گزارتے ہیں، بل کہ صرف اور صرف معاشرے سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

اجداد نبوی سیرت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ جب بھی سیرت بیان ہوتی ہے تو اجداد سے شروع ہوتی ہے تو ان کے حالات کو محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ کام کر دیا کہ ان کو معاشرے کی خدمت میں لگا دیا۔ ہاشم سے لے کر قصی تک کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی حکومتوں سے ان کو تجارتی پروانے عطا کیے، ان کے لیے تجارت کی راہیں ہم وار کیں، تاکہ وہ منظم طریقے سے اپنی تجارتی سرگرمیوں کو انجام دے سکیں ورنہ مکے کی زمین وادی غیر ذی زرع ہے جہاں سوائے بھیڑ بکریوں کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ چناں چہ انہوں نے مکے والوں کے لیے دنیا کے راستے کھول دیے، انہیں دنیا دیکھنے کے مواقع فراہم کیے، تو وہ ان کو کیسے بھلا دیتے؟ آج بھی اگر کوئی حکومت تاجروں کو کوئی سہولت دیتی ہے تو وہ زندگی بھر اس کی تعریف کرتے ہیں اور انہیں یاد رکھتے ہیں۔

یہ سب کچھ تکوینی نظام کے تحت ان سے کروایا گیا، ورنہ تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ یہ کام صرف انہوں نے کیوں کیے؟ ان کے بھائی بند موجود ہوں گے، انہوں نے کیوں نہ کیے؟ اگر آپ کہیں اتفاقاً ایسا ہو گیا تو یہ عجیب اتفاق ہے کہ صرف حضور ﷺ کے شجرہ نسب میں آنے والوں کے ساتھ ہی یہ اتفاق پیش آیا کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں آیا؟ دراصل یہ اعجاز سیرت کا ایک پہلو ہے۔ یہ سیرت کا معجزہ ہے، دنیاوی اسباب وعلل کے قانون کے تحت جس کی دوسری کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ کسی بھی غیر مسلم کے لیے یہ پہلو بھی نہایت اہم ہے، ایسے بھی دعوتی حوالے سے اہتمام کے ساتھ غیر مسلموں

۱۔ بخاری: رقم ۱

کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔

مطالعہ سیرت اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین شخصیات کے نام دیکھ لیں اور عربوں کے نام دیکھ لیں، عام طور پر کسی کا نام حرب ہے، کسی کا فساد، کسی کا تابط شرا، لیکن حضور کے والد کا نام دیکھ لیں عبداللہ، اسی طرح خواتین کے نام اس طرح ہیں، والدہ کا نام آمنہ، نام ام ایمن، حلیمہ سعدیہ وغیرہ۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس ماحول میں یہ نام کیسے رکھے گئے؟ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے خود آپ کا نام محمد ہے۔ ایسی کون سی طاقت وقدرت تھی جس نے آپ کے آنے سے پہلے پیارے پیارے ناموں کی ایک فہرست آپ کے اردگرد کے لوگوں کے لیے متعین کردی کہ جس کو سن کر ہی امن وسلامتی کا معنی ومفہوم نکلتا ہے۔

تاریخ میں صرف دو نام ایسے ہوئے ہیں کہ جو اپنے مسمّی پر پورے صادق آتے ہیں۔ ان میں سے ایک ''محمد'' کا نام نامی ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کی اتنی تعریف کی گئی ہو۔ کتب حدیث کو آپ چھوڑیں، دیگر زبانوں میں لکھی جانے والی کتابوں کو بھی ایک طرف رکھ دیں۔ صرف ''اردو'' زبان میں سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں دس ہزار سے زاید ہیں، جن کی اب تک کوئی جامع فہرست مرتب نہیں ہوسکی ہے۔ دوسرا نام ''قرآن'' ہے، دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو اتنی زیادہ پڑھی جاتی ہو اور تسلسل کے ساتھ پڑھی جاتی ہو۔ پوری دنیا تلاوت قرآن نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں تلاوت ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ ہے اعجاز سیرت کا دوسرا پہلو۔

مطالعہ سیرت اور دار الہجرت

معراج کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی بار ''یثرب'' دکھایا گیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ یہاں ہجرت کرنا ہوگی۔ تاریخ سے ثابت ہو چکا کہ معراج کے واقعے سے ہزاروں سال پہلے مدینہ منورہ میں آتش فشاں پھٹے اور لاوے بہے۔ آتش فشاں آسانی سے نہیں پھٹتے اور نہ ہی آسانی سے ٹھنڈے ہوتے ہیں، اس عمل کو ہزاروں سال درکار ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وہاں آئے تو وہ بالکل ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اگرچہ وہاں وبائیں موجود تھیں۔ جیسا کہ حدیث کی کتابوں[۹] سے معلوم ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ لاوے کیوں پھٹے؟ اور کون سی قوت

ہے جو یہ سب کچھ کر رہی تھی؟ اور اس کا فائدہ کیا ہوا؟ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ مدینہ منورہ جسے مسلمانوں کے مستقبل کے لیے خطرے سے محفوظ کیا جانا مقصود تھا، وہ متعدد خطرات سے محفوظ ہوگیا۔ وہ ظاہر ہے کہ یہ لاوے آپ ﷺ کے وہاں تشریف لانے کے بعد پھٹتے یا تشریف آوری کے قریب کے زمانے میں یہ واقعہ ہوتا تو وہ جگہ رہنے کی قابل ہی نہ رہتی اور اگر ماضی قریب میں بھی پھٹتے تو بھی اس کے ٹھنڈا ہونے کے لیے ایک لمبا زمانہ درکار ہوتا لیکن یہ عمل ایسے وقت میں ہوا کہ پھٹنے کے بعد وہ قابل رہائش ہوگئے پھر آپ تشریف لے گئے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے ٹھنڈا ہونے کے بعد قابلِ کاشت بھی ہوگیا اور ان علاقوں میں جہاں لاوے پھٹتے ہیں، وہاں معدنیات بڑی تعداد میں پیدا ہوجاتی ہیں، زمین زرخیز ہوجاتی ہے۔ اس واقعے کے باعث مدینہ منورہ اور اس کے اطراف کو یہ تمام سہولتیں حاصل ہوگئیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب سیرت کا اعجاز ہے اور یہ سب وہ پہلو ہیں کہ جن کو اگر مطالعہ سیرت کے عنوان سے بیان کیا جائے تو جس شخص کے دل پر مہر نہیں لگی ہوئی وہ ضرور دائرہ اسلام میں آسکتا ہے۔ یہ سیرت طیبہ کا تیسرا اعجاز ہے۔

مطالعہ سیرت مستقل کرنے کی ضرورت

مطالعہ سیرت الگ سے کیوں کیا جائے؟ بہ طور فن اسے کیوں رکھا جائے؟ اس لیے کہ جس چیز کی سب سے پہلے بنیاد پڑی ہے وہ ''فن سیرت'' ہے۔ اس کے بعد فن حدیث اور دیگر فنون وغیرہ مرتب ہوئے۔ جس طرح فن تفسیر و حدیث کو الگ سے پڑھنے، سمجھنے اور مطالعے کی ضرورت ہے بعینہ اسی طرح فن سیرت کو بھی ہے۔ عام طور سے ہمارے ہاں کچھ کتابیں سکولوں، کالجوں میں سند حاصل کرنے کے لیے سیرت کے عنوان سے پڑھائی جاتی ہیں۔ یہی حال مدارس کا بھی ہے کہ وہاں بھی خاطر خواہ توجہ فن سیرت کو نہیں دی جاتی۔ اگر کہا جائے کہ مدارس میں کتب حدیث پڑھائی جاتی ہیں تو یہ ایک غلط فہمی پر مبنی ہے، کیوں کہ وہ تو لوازم و مراجع اور مصادرِ سیرت ہیں، نہ کہ بنفسہ سیرت، ورنہ تو پھر قرآن کے اندر بھی کچھ لوازمات سیرت مذکور ہیں، تو کیا آپ قرآن کو بھی سیرت کی کتاب کہیں گے؟

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ابتدائی چار صدیوں تک محدثین و اہل سیر ایک ہی طرح کے لوگ رہے ہیں، جو محدث ہوتا وہ سیرت نگار بھی ہوتا اور جو سیرت نگار ہوتا وہ محدث ہوتا۔ کچھ لوگ حدیث

میں مشہور ہو گئے اور کچھ لوگ سیرت میں، جب کہ کچھ حضرات دونوں میں مشہور ہوئے۔ لیکن ان دونوں میدانوں نے بڑے بڑے اہل علم پیدا کیے ہیں، جن کی تحقیقات سے آج تک ہم متمتع ہو رہے ہیں۔

مطالعہ سیرت کا طریقِ کار

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ مطالعہ سیرت کیسے کیا جائے؟ تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جب تک اردو کی کسی بنیادی کتاب کا حرفاً حرفاً مطالعہ نہ کیا جائے، اس وقت تک مطالعہ مکمل نہیں ہوگا۔ اس کے لیے سب سے بنیادی کتاب علامہ شبلی کی ''سیرت النبی'' ہے۔ اس کی پہلی دو جلدوں سے مطالعہ سیرت شروع ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ تین جلدیں ''رحمۃ للعالمین'' کی ملالیں جائیں اور اس کے بعد جو آپ کا دل چاہے۔ ان کے ساتھ ہی اگر محمود احمد غازی صاحب کی ''محاضرات سیرت'' بھی دیکھ لی جائے تو یہ مطالعہ زیادہ مفید اور بامعنیٰ ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد آپ کسی بھی سیرت کا انتخاب کریں، لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ کسی کو بھی کامل نہ سمجھا جائے، کسی نے بھی کامل سیرت نہیں لکھی بل کہ سب ہی نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق جو ہوا سپرد قرطاس کر دیا۔ سیرت رسول پر شاید ہی دنیا میں کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جو اس کا حق ادا کر سکے۔ شاید یہی اللہ کی تکوین ہے، تاکہ حضور ﷺ کی سیرت پر قیامت تک کام جاری رہے۔ اور ہم جیسے بھی اس صف میں شامل ہوسکیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اس لیے اس سلسلے کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

اب تک ہماری گفت گو مطالعہ سیرت کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں تھی۔ آخری نکتہ یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ عام طور پر سیرت طیبہ سے چوں کہ تعلق مطالعے کا بہت کم ہوتا ہے۔ اس لیے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ سیرت پر جب اس قدر کام ہو چکا ہے تو مزید کام کی کتنی گنجائش ہے؟ یا مزید کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلے میں دو باتیں عرض کی جاسکتی ہیں:

پہلی یہ کہ ایک ہے بنیادی اور فنی نوعیت کا کام جسے تدوینی نوعیت کا کام بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ دوسرا ہے سیرت طیبہ کا اطلاقی پہلو جس کو آج کی اصطلاح میں فقہ السیرۃ بھی کہا جا رہا ہے۔

پہلی کتاب جو فقہ السیرۃ کے عنوان سے شائع ہوئی وہ الاخوان المسلمون کے رہنما محمد الغزالی کی فقہ السیرۃ ہے جو ساٹھ کی دہائی میں چھپی تھی۔ لیکن اس حوالے سے اس نام سے یہ پہلی کتاب ہے،

ورنہ اس فن پر لکھنے کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا، جس کا مظہر کئی کتب سیرت موجود ہیں۔ فقہ السیر ۃ کا تصور یہ ہے کہ سیرت سے حاصل ہونے والے سبق کیا ہیں؟ اور سیرت طیبہ کا اطلاقی پہلو کیا ہے؟ یعنی جس کو آپ علیہ السلام کے لیے قرآن حکیم میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کہا گیا ہے آپ سے ہمیں کیسی رہ نمائی ملے گی؟ چناں چہ فنی و اطلاقی دونوں پہلوؤں پر کام کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی۔

دوسری بات جو ہمارے لیے طالب علمانہ درجے میں اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ مطالعہ سیرت کیسے کیا جائے؟ اس کی بنیادی کتب اپنی جگہ لیکن رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مصادر، سیرت کے واقعات اور ان کے لوازم سیرت سے متعلق مواد زندگی کے ہر موڑ پہ ملتا رہے گا۔ آپ قرآن پڑھ رہے ہیں، آیت آ گئی۔ ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوگا۔ فقہ میں بیان ہو رہا ہے، کوئی واقعہ آ گیا۔ ذہن اس طرف منتقل ہو جائے گا۔ اسی طرح تاریخ سمیت تمام دیگر علوم وفنون ہیں۔ ان سب کو محض اپنے درس کا یا اس فن کا مطالعہ نہ سمجھا جائے بل کہ اس کو بھی سیرت سمجھ کر ذہن کے خانوں میں بٹھا لیا جائے۔ جیسے آج کل کمپیوٹر کا دور ہے تو اس میں اگر ایکسل کی شیٹ بنالیں اور ڈیٹا انٹر کرتے جائیں وہ خود بہ خود اس کو مرتب کر دیتا ہے بالکل ایسے ہی یہ ڈیٹا ہمارے دماغوں میں از خود ترتیب پاتا رہے گا اور بوقت ضرورت کام آتا رہے گا۔ (۱)

۱۔ یہ مضمون ایک گفت گو پر مشتمل ہے، جو معہد الخلیل الاسلامی، کراچی میں اساتذہ اور طلبہ کے سامنے کی گئی تھی۔ اسے مناسب تدوین کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ یادگاری خطبات

خطباتِ کراچی

مجموعہ محاضرات

ڈاکٹر محمود احمد غازی

صفحات: ۳۰۴ قیمت: ۳۰۰ روپے

عنوانات

☆ اسلام اور مغرب، موجودہ صورت حال، امکانات، تجاویز
☆ اسلامی شریعت، مقاصد و حکمت
☆ اسلامی سزاؤں کا تصور اور مغربی قوانین، ایک تقابل
☆ علم سیرت اور مستشرقین

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔ ۴/۱۸، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ ۷۴۶۰۰، فون: ۳۶۶۸۴۷۹۰

info@rahet.org - www.rahet.org

zawwar academy publication

research academy for higher education & technology